تفہیم القرآن اور علم نفسیات

ڈاکٹر عظمیٰ خاتون فلاحی

یورپ کی نشاتِ ثانیہ کے دوران، سائنس کا مذہب سے تصادم ہوا۔ دوسری جانب یہ بات ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ علوم کے بارے میں قرآن کا بیان نا قابلِ انکار اور آخری حقیقت ہے: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝۶۰ (اٰل عمرٰن ۳: ۶۰) ''یہ اصل حقیقت ہے جو تمھارے ربّ کی طرف سے بتائی جارہی ہے، اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو، جو اس میں شک کرتے ہیں''۔ آج دنیا میں کوئی ایسا تجربہ اور مشاہدہ ،کوئی سائنسی تحقیق اور انکشاف ایسا سامنے نہیں آیا جو قرآن کے کسی پیش کردہ حقائق کی نفی کر سکے۔ جدید تحقیقات اور انکشافات نے قرآن کی حقانیت اور صداقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں ہی کیا ہے۔ قرآن میں جو باتیں چودہ سو سال پہلے کہی گئی تھیں، جدید تحقیقات اس کی حقانیت پر استدلال کر رہی ہیں۔ جیسے جیسے انسانی علوم میں اضافہ ہوتا رہے گا، یہ انکشافات قرآن کی صداقت پر شہادت دیتے رہیں گے۔ قرآن نے آفاق وانفس کی نشانیاں بار بار پیش کی ہیں اور پھر تدبر وتفکر کی دعوت بھی دی ہے۔ جب انسان اس کی کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی قوانین فطرت کو دریافت کرتا ہے اور کبھی حیرت انگیز معلومات اس کے سامنے آتی ہیں۔

تفہیم القرآن کے تفسیری حواشی میں دیگر علوم کی طرح سائنس کی جدید تحقیقات سے بھی اس کا دامن بھرا پڑا ہے۔ مولانا مودودی نے بالواسطہ طور پر بہت سے اہم نفسیاتی حقائق اور رُموز کی نشان دہی کی ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے تفہیم القرآن کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ مولانا مودودی نے آثار النفس سے توحید و رسالت اور معاد (آخرت) جیسے اہم حقائق کی حقیقت کو منوایا ہے۔

آثار النفس سے انھوں نے بار بار یہ ثابت کیا ہے کہ انسانی جسم کی ہیئت ترکیبی، اور اس کی ساخت اس امر کی متقاضی ہے کہ انسانی ہدایت کا سامان بھی مہیا کیا جاتا رہے۔ اس مقصد کے لیے انسانی جسم کو انھوں نے محکم دلیل کے طور پر بار بار پیش کیا ہے۔

موجودہ ماہرین نفسیات میں سے اکثر کی نگاہ صرف انسانی جسم کے حیاتیاتی تقاضوں تک محدود رہی، اور اسی وجہ سے وہ بہت سی کوتاہ اندیشیوں کا شکار ہوئے۔ پھر ڈارونیت سے متاثر مکاتبِ فکر کی سب سے بڑی کوتاہی یہ رہی ہے کہ انھوں نے انسان کے محض حیاتیاتی تقاضوں پر زور دیا ہے، لیکن ان تقاضوں کے علاوہ انسان کی روحانی زندگی کے جو تقاضے ہیں، انھیں نظرانداز کیا ہے۔ مولانا مودودی نے ان روحانی تقاضوں کی طرف بڑے فکرانگیز انداز میں توجہ مبذول کروائی ہے، مثلاً سورۃ الرحمٰن (۵۵) میں انسانی جسم کی ساخت پر بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی نے لکھا ہے:

> انسان کے اپنے جسم کا ایک ایک رونگٹا اور ایک ایک خلیہ (cell) وہ کام سیکھ کر پیدا ہوا ہے جو اسے انسانی جسم میں انجام دینا ہے۔ پھر آخر انسان بجاے خود اپنے خالق کی تعلیم و رہنمائی سے بے نیاز یا محروم کیسے ہوسکتا ہے؟ (تفہیم القرآن، ۵، حاشیہ ۲، ص ۲۴۹)

اس ذکر کے لیے مولانا مودودی نے قرآن کی چند آیات اس کی وضاحت کے لیے پیش کی ہیں کہ جن میں ان باتوں کو بخوبی بیان کیا گیا ہے:

- اور اللہ ہی کے ذمے ہے سیدھا راستہ بتانا، جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں۔ (النحل ۱۶:۹)
- جاؤ اس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے ربّ کے فرستادے ہیں۔ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دے، اور ان کو تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے ربّ کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لیے جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ ہم کو وحی سے بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اس کے لیے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔ فرعون نے کہا: 'اچھا تو پھر تم دونوں کا ربّ کون ہے، اے موسیٰؑ؟' موسیٰؑ نے جواب دیا: 'ہمارا ربّ وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راستہ بتایا'۔ (طٰہٰ ۲۰:۴۷-۵۰)

● بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے۔(الیل ۹۲:۱۲)

علمِ نفسیات میں گویائی اور اکتسابی علم (Learning) پر خاصی طویل بحثیں موجود ہیں، لیکن مادہ پرست ذہنوں نے ان دو جوہری ماخذ کے مختلف پہلوؤں کا کما حقہ تجزیہ نہیں کیا۔ قوت گویائی کے پیچھے عقل وشعور کی لامتناہی کڑیوں کی طرف بھی بہت کم ماہرین نفسیات نے توجہ دی ہے ۔ سورۂ رحمٰن میں عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (اور اسے بولنا سکھایا) کے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے مولانا مودودی نے اس انسانی جوہر کے بہت سے مضمرات کو بھی اجاگر کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

یہ محض قوت گویائی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے عقل وشعور، فہم وادراک، تمیز وارادہ، اور دوسری ذہنی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں، جن کے بغیر انسان کی قوتِ ناطقہ کام نہیں کرسکتی۔ اس لیے بولنا دراصل انسان کے ذی شعور اور ذی اختیار مخلوق ہونے کی صریح علامت ہے۔ اور یہ امتیازی وصف جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے تعلیم کی نوعیت بھی وہ نہیں ہوسکتی، جو بے شعور اور بے اختیار مخلوق کی رہنمائی کے لیے موزوں ہے۔(تفہیم،۵، حاشیہ ۳، ص ۲۴۹)

انسان کے ذی شعور اور ذی اختیار ہونے کی توضیح وتوجیہہ مولانا مودودی نے تخلیق آدم کی طرف توجہ دلانے والی آیات سے بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ السجدہ کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ (اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ السجدہ ۳۲:۹) کے الفاظ کی مولانا نے بڑی معنی خیز وضاحت کی ہے:

’روح‘ سے مراد محض وہ زندگی نہیں ہے، جس کی بدولت ایک ذی حیات جسم کی مشین متحرک ہوتی ہے، بلکہ اس سے مراد وہ خاص جوہر ہے جو فکر وشعور اور عقل وتمیز اور فیصلہ واختیار کا حامل ہوتا ہے۔ جس کی بدولت انسان تمام دوسری مخلوقات ارضی سے ممتاز ایک صاحبِ شخصیت ہستی، صاحبِ اَنا ہستی، اور حاملِ خلافت ہستی بنتا ہے۔ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یا تو اس معنی میں فرمایا ہے کہ وہ اسی کی مِلک ہے اور اس کی ذات پاک کی طرف اس کا انتساب اسی طرح کا ہے، جس طرح ایک چیز اپنے مالک کی طرف منسوب ہوکر اس کی چیز کہلاتی ہے، یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر

علم،فکر، شعور ، ارادہ ،فیصلہ ، اختیار اور ایسے ہی دوسرے جو اوصاف پیدا ہوئے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں۔ان کا سرچشمہ مادّے کی کوئی ترکیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔اللہ کے علم سے اس کو علم ملا ہے، اللہ کی حکمت سے اس کو دانائی ملی ہے، اللہ کے اختیار سے اس کو اختیار ملا ہے۔یہ اوصاف کسی بے علم، بے دانش، اور بے اختیار ماخذ سے انسان کے اندر نہیں آئے ہیں۔(تفہیم، ۴، حاشیہ ۱۶،ص ۱۴۱)

انسانی جسم کی ساخت اور تخلیقِ آدم کا یہ تصور علم النفس میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔جدید علم نفسیات کی کوتاہیوں اور گمراہیوں کا سرچشمہ وہ مادی اور میکانکی تصورِ حیات ہے،جس کی فکری بنیادیں ڈارون [م: ۱۸۸۲ء]اور ہربرٹ سپنسر [م: ۱۹۰۳ء] کے نظریات پر استوار ہیں۔ان نظریات سے انسانی زندگی کا یہ تصور ابھرتا ہے کہ انسانی شعور کے نام کی کوئی چیز انسان کو حاصل نہیں اور اگر حاصل ہے بھی تو اس کا وجود اور عدم وجود دونوں بے معنی اور بے سود ہیں، کیوں کہ اس کا انسانی زندگی میں کوئی دخل نہیں۔انسان کے بارے میں سگمنڈ فرائڈ [م:۱۹۳۹ء] نے اپنے تصور وافکار کی عمارت اٹھائی اور انسان کو میکانکی قوانین اور شعوری محرکات کے جبر کی محسوس اور غیر محسوس زنجیروں میں جکڑا ہوا دکھایا۔مولانا مودودی نے اس میکانکی تصورِ حیات اور تصورِ شعور کی قرآن حکیم کی روشنی میں تردید کی ہے اور اس کے مہلک اثرات کا جائزہ لیا ہے ۔اس تصور حیات سے انسانی زندگی جس سانچے میں ڈھلتی ہے، اس کی اجمالی تصویر سورۃ الاعراف کی اس آیت کی تشریح میں پیش کی ہے، جہاں پر وحی کی روشنی سے بے نیاز ہو کر جینے والوں کی زندگی کو کتّے کی زندگی سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

دوسری جگہ مولانا مودودی نے انسانی زندگی میں وحی اور ہدایت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے انسانی فطرت کے اس جوہر کو اُجاگر کیا ہے جسے قرآن حکیم نے 'نفسِ لوامہ' کہا ہے۔ 'نفسِ لوامہ' پر سبھی مفسرین نے بحث کی ہے اور تصوف میں نفس کی تین اقسام کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے۔مولانا مودودی کا علمی کمال یہ ہے کہ انھوں نے 'نفسِ لوامہ' سے معاد پر بھی استنباط کیا ہے۔مولانا مودودی نے اس لطیف نکتے کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

اب اگر انسان کے وجود میں اس طرح کے ایک 'نفسِ لوامہ' کی موجودگی ایک ناقابلِ انکار

حقیقت ہے، تو پھر یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ یہی 'نفسِ لوامہ' زندگی بعد موت کی ایک ایسی شہادت ہے، جو خود انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ کیوں کہ فطرت کا یہ تقاضا کہ اپنے جن اچھے اور برے اعمال کا انسان ذمہ دار ہے، ان کی سزا یا جزا اسے ضرور ملنی چاہیے، زندگی بعد موت کے سوا کسی دوسری صورت میں پورا نہیں ہوسکتا۔ (تفہیم ۶، حاشیہ ۲، ص ۱۶۳)

'نفسِ لوامہ' سے آخرت پر استدلال کے علاوہ مولانا نے 'نفسِ لوامہ' کی وضاحت بھی بڑے فکر انگیز انداز میں کی ہے۔ سورۂ قیامہ ۷۵، سورۂ دہر ۷۶ اور سورۂ شمس ۹۱ میں 'نفسِ لوامہ' سے انسانی فطرت کے پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا مودودی نے 'سواء السبیل' کی اصطلاح پر جو اظہار خیال کیا ہے وہ بھی نفسیاتی مباحث میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ 'نفسِ لوامہ' اور 'سواء السبیل' دراصل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ (دیکھیے: تفہیم القرآن، اوّل، سورۂ مائدہ ۵، حاشیہ ۳۵، ص ۴۵۲-۴۵۴)

انسانی فطرت میں 'نفس لوامہ' اور 'سواء السبیل' کی وجہ سے راہ راست کے داعیہ کی نشان دہی کے علاوہ مولانا مودودی نے قَالُوْا بَلٰی کے مفاہیم کی وسعتوں کو واضح کر کے انسانی فطرت کے بہت اہم گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان گوشوں کی روشنی میں کارل ژنگ [م: ۱۹۶۱ء] کے نقوشِ اولین (Archetypes) کے تصور کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے، تو قرآن میں انسانی نفسیات کے بہت سے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جن پر اب تک بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ابن عربی کے اعیان ثابتہ کے تصور کو ان مباحث کی مدد سے زیادہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مولانا مودودی نے میثاق کے نقش کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے:

> اس نقش کو شعور و حافظہ میں تازہ تو نہیں رکھا گیا، لیکن وہ تحت الشعور (subconscious mind) اور وجدان (Intuition) میں یقیناً محفوظ ہے۔ اس کا حال وہی ہے جو ہمارے تمام دوسرے تحت الشعوری اور وجدانی علوم کا حال ہے۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق و معاملات کے تمام شعبوں میں انسان سے آج تک جو کچھ بھی ظہور میں آیا ہے، وہ سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوۃ (potentially) موجود تھا۔ خارجی محرکات

اور داخلی تحریکات نے مل جل کر اگر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ جو کچھ بالقوۃ موجود تھا اسے بالفعل کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تعلیم، کوئی تربیت، کوئی ماحولی تاثیر اور کوئی داخلی تحریک انسان کے اندر کوئی چیز بھی، جو اس کے اندر بالقوۃ موجود نہ ہو، ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اسی طرح یہ سب مؤثرات اگر اپنا تمام زور بھی صرف کر دیں تو ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان چیزوں میں سے، جو انسان کے اندر بالقوۃ موجود ہیں، کسی چیز کو قطعی محو کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کر سکتے ہیں، وہ صرف یہ ہے کہ اسے اصل فطرت سے منحرف (pervert) کر دیں۔ لیکن وہ چیز تمام تحریفات کے باوجود اندر موجود رہے گی، ظہور میں آنے کے لیے زور لگاتی رہے گی، اور خارجی اپیل کا جواب دینے کے لیے مستعد رہے گی۔ (تفہیم، ۲، حاشیہ ۱۳۵، ص ۹۸)

مولانا مودودی نے انسانی فطرت کی اصل افتاد اور اس کے داعیات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ انسانی شخصیت کے تصادموں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ سورۂ اعراف میں حبوط آدم سے متعلقہ آیات کی توضیح کرتے ہوئے نفس انسانی کی ترغیبات کا ذکر مولانا نے تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس تفصیل کی مدد سے انسانی شخصیت کے تصادمات کو گرفت میں لیا جا سکتا ہے۔ اجتماعی نفسیات سے متعلق امور کا ذکر بھی مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں جابجا کیا ہے۔

مثال کے طور پر سود کے ہمہ گیر اثرات کو مولانا مودودی نے بڑے عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس بحث میں سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی کوتاہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سود کے علاوہ اباحیت مطلقہ اور زنا کے اثرات پر مولانا مودودی نے سورۂ نور پر بحث کی ہے۔ وہ ان تمام خرابیوں کو سامنے لاتے ہیں، جو اُس معاشرے میں فروغ پاتی ہیں، جہاں جنسی خرابیوں کے بارے میں مداہنت (compromise) کی روش موجود ہو۔ سود، زنا کے علاوہ سورۂ بنی اسرائیل میں انسانی اجتماعی نفسیات کو سمو دیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے تین بنیادی خرابیوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ فحش، منکر اور بغی، جن سے ہلاکت پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ اجتماعی خوبیاں جن سے معاشرہ فردوس بہ داماں بنتا ہے، گویا اجتماعی انسانی نفسیات کا ایک عمدہ خاکہ تفہیم القرآن کی مدد سے تیار کیا جا سکتا ہے۔